جلد۱۰ شمارہ۱۸، ۲۰۲۵

Article

Multan's Psychological School of Thought in Short-story Writing

ملتان میں اردو افسانے کا نفسیاتی رجحان

(خصوصی مطالعہ: خالد سعید)

Misbah Khan[*1] **Dr. M. Khawar Nawazish** [2]
[1] PhD Scholar, [2]Associate Professor, Dept. of Urdu, BZU Multan
*Correspondence:

مصباح خان[۱]، ڈاکٹر محمد خاور نوازش[۲]

[۱]پی ایچ ڈی اسکالر، [۲]ایسوسی ایٹ پروفیسر، اردو، بہاء الدین زکریا یونیورسٹی ملتان

eISSN: 2073-3674
pISSN: 1991-7813

This is an open-access article distributed under the terms and conditions of the Creative Common Attribution (CC BY) license

Copyright: © 2025 by the authors.

Abstract:
Khalid Saeed is an important short story writer from Multan's Psychological school of Thought. The collection of his short stories "Sawal Ke Hath" (The Hands of Question) is a remarkable expression of social realism. He has particularly created characters who suffer from various psychological disorders. These characters are so deeply entangled in mental complexities that their social and domestic lives are severely affected. In his stories, Khalid Saeed has explored psychological terms and conditions such as the Oedipus complex, sadism, inferiority complex, selfishness, anger, frustration, and narcissism. His portrayal of such intricate mental states adds a profound psychological depth to his narratives. His fiction serves as a valuable tool for understanding the mental and emotional conditions of individuals within a societal context, reflecting the intersection of personal psyche and collective existence. This article presents a close study of Saeed's short stories in the context of psychological criticism.

Keywords:
Realism, Sadism, Narcissism, Frustration, Urdu Fiction

زمانہ قدیم سے انسان، انسانی ذہن، اس کے برتاؤ، محرکات اور نفسیات کو سمجھنے کی کوشش کرتا آیا ہے۔ ارتقا کے طویل مرحلے میں انسانی ذہن ایک پہیلی بنا رہا ہے۔ ماہرین نے اس کے حوالے سے مختلف نظریات اور زاویے پیش کیے ہیں۔ انسان کی سماجی، معاشرتی، معاشی اور ثقافتی سرگرمیاں اس کے ذہن کی پرورش کرتی رہی ہیں۔ مخصوص حالات میں پرورش پانے والا انسانی ذہن دوسروں سے مختلف برتاؤ کرتا ہے۔ اس ضمن میں شعور اور لاشعور ہر دور میں انسان کے جنسی رویوں، اخلاقی اقدار اور ثقافتی رجحانات کو سمجھنے میں معاون رہے ہیں۔ بیدار شعور کے علاوہ شعور کی کوئی اور قسم بھی موجود رہی ہے جس کے بارے میں مختلف مذاہب اور تہذیبوں میں اشارے ملتے ہیں۔ ہندو صنمیات، قدیم یونانی اور مصری تہذیبوں سے سامی مذاہب تک لاشعور کو سمجھنے اور اسے جگانے کے مختلف طریقے رائج رہے ہیں۔

جدید نفسیات کی بنیاد سگمنڈ فرائیڈ کے نظریہ لاشعور پر ہے۔ سگمنڈ فرائیڈ نے انسانی ذہن کی کارکردگی کو سمجھنے کے لیے خوابوں کا سہارا لیا۔ اس کا خیال تھا کہ انسان کی وہ خواہشات جو پوری نہیں ہو پاتی خوابوں کی صورت میں مختلف چیزوں کا روپ دھار کر انسان کے ذہن تک رسائی حاصل کرتی ہیں اور یہی تشنہ خواہشات، تخلیقی قوت کی صورت مختلف فنون میں ظاہر ہوتی ہیں سگمنڈ فرائیڈ کے اس نظریے کو ایڈلر اور یونگ نے اپنی تحقیقات سے آگے بڑھایا۔ ژاک لاکاں نے تحلیل نفسی کا طریقہ کو مختلف متون کی قدر و قیمت اور تعبیرات کے لیے استعمال کیا۔ یوں نفسیاتی مطالعات، نفسیاتی رجحان اور نفسیاتی تنقید مختلف فنون کو پرکھنے اور ان کے تخلیقی محرکات کو تلاش کرنے میں ایک مکمل ضابطہ کے طور پر سامنے آئیں۔

داستان، قصہ، اساطیر، حکایت، افسانہ اور ناول میں کہانی مشترک عنصر ہے۔ صدیوں سے کہانی کہنا اور کہانی سننا انسان کی سرشت میں شامل رہا ہے۔ اس کہانی نے بھی انسانی ذہن کو ایک خاص انداز میں ڈالا ہے۔ انسان جو چیزیں سمجھ نہیں سکا یا جو غیر متوقع طور پر اس کے سامنے ظہور پذیر ہوئیں انسان نے اسے کہانی کی صورت میں محفوظ کر لیا۔ اس نے اس کہانی کو سنانے یا منفرد بنانے کے لیے کبھی تجرید، علامت نگاری، منظر نگاری، جزیات نگاری، مکالمہ، تکنیک، اسلوب اور لفظیات کا استعمال کیا۔ آج کے جدید دور میں یہ کہانی افسانہ اور ناول کا حصہ ہے۔ نفسیاتی طریقہ کار کو بروئے کار لاتے ہوئے افسانوی متن کی تشریحات اور توجیہات کو سامنے لایا گیا۔ ان تخلیقی محرکات کا تعلق فن پاروں اور مصنف سے نہیں اس ماحول اور تخلیق سے پہلے کہ عوامل پر بھی ہوتا ہے۔ نفسیاتی رجحان اسی کو تلاش کرتا ہے۔ ڈاکٹر ابو الکلام قاسمی لکھتے ہیں:

> "نفسیاتی تنقید کے زیر اثر بعض عالمگیر عوامل مثلاً جنس بعض نفسیاتی الجھن مثلاً اُیڈی پس کمپلیکس، احساس کمتری بعض نفسیاتی گمراہیاں، مثلاً ایذا پسندی یا ایذا پرستی وغیرہ ایسی چیزیں ہیں جن کے مظاہر ادب میں بالعموم نظر آنے لگے ہیں۔"(۱)

نفسیاتی رجحان یا نفسیاتی تنقید دبستان کے وجود سے پہلے بھی ناقدین بعض ایسی صورتوں پر تنقید کرتے تھے یا ایسی آرا موجود ہے جو نفسیات کے دائرے میں آتی ہیں۔ اس کے شواہد افلاطون تک ملتے ہیں۔ افلاطون نے INO میں جن ادبی تخلیق کی پیچیدگیوں کا ذکر کیا ہے

وہ نفسیاتی طریقہ تنقید میں شمار ہوتی ہیں۔ اسی طرح پہلی صدی عیسوی کے نقادلون جائی نس نے اپنے رسالےon the sublimeمیں جن تنقیدی آراکا اظہار کیا ہے اور فن پاروں کو پرکھنے کے دو طریقے وضع کیے ہیں، ان میں سے بیشتر نفسیات کے دائرے میں آتے ہیں۔ یوں تاریخ کے ایک طویل عہد میں ناقدین فن کی تفہیم کے لیے لاشعوری طور پر نفسیاتی رجحان کو اہمیت دیتے رہتے ہیں۔ نفسیاتی تنقید کے طریقہ کار کے حوالے سے ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں:

> ''نفسیاتی تنقید میں تخلیق کار کی الجھنوں اور ذہنی پیچیدگیوں سے براہ راست اور بلاواسطہ تعلق دریافت کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ گو یہ کام اتنا آسان نہیں اور مرحوم تخلیق کاروں کی صورت میں تو مخصوص نوعیت کے نفی اہمیت کے مواد کی فراہمی بہت مشکل ہے لیکن ایسے نقادوں کی کمی نہیں جنہوں نے تخلیقات سے ہفت خواں بھی طے کر لیا۔ بعض اوقات تخلیق کاروں کی تحلیل نفسی کا یہ مرحلہ آسان بھی ہو جاتا ہے اور ان کے بارے میں نفسیاتی مواد کی فراہمی آسان ہی نہیں ہو جاتی بلکہ اس پر بھروسہ بھی کیا جاسکتا ہے۔''(۲)

انگریزی ادب میں نفسیاتی رجحان کی بات کی جائے تو رومانوی تحریک سے جڑے شاعر ورڈز ورتھ، شیلے، ٹینی سن، ایلیٹ اور کالرج شاعر ہونے کے ساتھ ساتھ تنقیدی بصیرت بھی رکھتے تھے۔ انہوں نے شاعری کے تخلیق عمل اور طریقہ کار کے حوالے سے اہم سوالات اٹھائے۔ ان میں سے زیادہ تر سوالات نفسیاتی رجحان کے زیر اثر اتے ہیں۔ خاص طور پر ایس ٹی کالرج جرمن فلسفیوں کے قریب تھا۔ اس نے نفسیاتی تنقید کی ابتدا کی۔

سجاد باقر رضوی کالرج کے خیالات کا خلاصہ یوں کرتے ہیں کہ:

> ''اولین متغیلہ primary imagination انسانی ذہن کی وہ قوت ہے جس کے ذریعے وہ حس ادراک حاصل کرتا ہے یہ قوت لاشعوری ہے ثانوی متغیلہ secondary imagination اولین متغیلہ کے ساتھ متعلق ہوتے ہوئے بھی شعوری قوت ارادی سے ہم آہنگ ہے۔ لاشعوری عمل میں بھی ذہنی اختراع کار فرماہوتی ہے یوں کہیے کہ لاشعور اختراعی ذہن کی ایک اختراعی قوت ہے۔''(۳)

نفسیاتی رجحان میں ادبی اصناف کے محرکات کی یوں درجہ بندی کی جاتی ہے۔

- ادبی اصناف میں نفسیاتی محرکات کا سراغ لگانا اور تخلیقی عمل سے ان کا ربط پیدا کرنا۔
- نفسیاتی اصولوں کے سیاق وسباق میں مخصوص تخلیقی کاوشوں کی تشریح اور ان کا مقام ومرتبہ متعین کرنا۔
- تخلیق کار کی شخصیت کے نفسی اساس کو دریافت کرتے ہوئے اس کی روشنی میں تخلیقی شخصیت کا مطالعہ کرنا۔

نفسیاتی رجحان میں ماہرین ایک تکون کو سامنے رکھتے ہوئے کام کرتے ہیں۔ اس تکون میں تخلیق، تخلیق کار اور وقت تخلیق کو سامنے رکھا جاتا ہے تا کہ کسی منطقی نتیجے تک پہنچا جا سکے۔ اگر نکات ان میں سے کسی ایک تک محدود رہیں تو یہ محض اندازہ ہی ہو گا اس سے

پہلے ناقدین تاریخی اور عمرانی تنقید کے دبستانوں میں تخلیق کار کی شخصیت اور اس کے کردار کی پیچیدگیوں کی تفہیم پر توجہ مرکوز کرتے آئے ہیں۔

فرائیڈ، ایڈلر، یونگ اور اٹوریبنک سے لے کر نیو فرائیڈن، مکتب فکر تک انسانی ذہن کی نفسیاتی الجھنوں کا تفصیلی مطالعہ کیا گیا اور ادب اور نفسیات کے باہمی تعلق کو دریافت کیا گیا ہے۔

انیسویں صدی کے آخر تک ذہنی امراض کے مریضوں میں غیر معمولی اضافہ ہوا۔ سگمنڈ فرائیڈ نے تحلیل نفسی کے طریقہ سے لاشعوری عمل کے سرچشم کو دریافت کر کے ان افراد کی ذہنی حالت میں بہتری کے راستے تلاش کیے۔ فرائیڈ کا جبلت جنسlibido کے اظہار اور لاشعور نے انسانی ذہن اور فرد کی شخصیت کے تصور کو یکسر بدل کر رکھ دیا۔ فرائیڈ کے نزدیک تمام انسانی محرکات کا اصل لاشعور ہے۔ یہ خواہشات اور امنگوں کا صوتہ ہے۔ معاشرتی دباؤ اور امتناعات پر بے جا روک ٹوک کی صورت میں یہ خواہشات نا آسودہ رہتی ہیں اور لاشعور کے کسی کونے میں غیر متحرک طور پر موجود رہتی ہیں اور کسی خاص کیفیت یا حادثے کی صورت میں یہ لاشعور سے شعور میں واپس آجاتی ہے۔ فرائیڈ نے انسانی ذہن کو تین حصوں یعنیID،EGO اس کی نفسیاتی سطح اورsuper ego اس کی معاشرتی سطح میں تقسیم کیا۔

ژونگ نے فرائیڈ کے لبیڈو کے متوازی انفرادی لاشعور اور اجتماعی لاشعور کا تصور دیا۔ یوں فرائیڈ اور اس کے ہم نوا ماہرین نفسیات نے شخصیت کی الجھنوں کو شعوری سطح پر ان کے ادراک اور تدارک کی کوشش کی اور تخلیقات کے نفسیاتی مطالعے نے معاشرے کی ذہنی گھٹن کو دور کر کے اجتماعی سطح پر اپنی ارتقا فراہم کرنے کی کاوشیں کیں۔ مغرب میں ایڈی پس کیمپلکس کو سمجھنے کے لیے شیکسپیئر کے ڈرامے ہیملٹ کا تجزیہ کیا گیا اور ہیملٹ کی ذہنی حالت کی عکاسی کی جس سے ڈرامہ میں ان کی الجھن کو سمجھنے میں مدد ملی۔ فرائیڈ کے حوالے سے ٹیری اگلٹن لکھتے ہیں:

> "تحلیل نفسی کے کام کا بہترین خلاصہ شاید فرائیڈ کا اپنا ہی نعرہ ہے۔ "شخصیت جہاں تھی انا بھی وہیں رہے گی۔" جہاں مرد اور عورتیں نا قابل فہم قوتوں کی مفلوج کار گرفت میں تھے۔ استدلال اور ضبط نفسی وہاں بالادست ہو گا۔ اس قسم کا نعرہ فرائیڈ کو اس سے زیادہ استدالیت پسند دکھاتا ہے جتنا کہ وہ حقیقت میں تھا۔"(۴)

نفسیاتی رجحان کے تحت ادب پاروں کی تفہیم اس لیے بھی ضروری ہوئی کہ بیسویں صدی کے آغاز سے ہی دنیا ایک بڑے بدلاؤ سے گزری یورپ میں صنعتی انقلاب پہلی جنگ عظیم انقلاب اور مشین نے فرد کی جگہ لے لی اور اس کا احساس مروت کچلا گیا۔ نفس پرستی، خود غرضی، ایک بھاگ دوڑ کا آغاز ہوا۔ دوسری جنگ عظیم تک یورپ کے افراد نے اتنی تباہی دیکھی کہ وہاں انسانی اقدار بدل گئی۔ فرد خوف، دہشت، تنہائی، بیگانگی اور لایعنیت کا شکار ہو گیا اور طرح طرح کی نفسیاتی الجھنوں میں بٹ گیا۔ اس کے ذہنی انتشار کا اظہار ادب میں ہوا۔ خاص طور پر افسانہ نے اس فتنہ اور الجھی ہوئی دنیا کو سمیٹا۔

ڈاکٹر غلام حسین اظہر لکھتے ہیں:

> "ادیب یا فنکار عصبی مریض ہے اور ادب ان دبی ہوئی خواہشات کا مظہر ہے جو معاشرتی پابندیوں کی وجہ سے نا آسودہ رہ جاتی ہیں۔ نہ کردہ گناہوں کی حسرت کا یہ اظہار ہی فرائیڈ کے نظریہ ادب کی اصل بنیاد ہے۔ وہ ادب اور پیداواری کے خواب میں خط احتیاط کا ہرگز قائل نہیں۔ فرائیڈ کے نظریہ نے ادیبوں کو اپنے لاشعور کے نہاں خانوں کو ادب میں منتقل کرنے پر قائل کیا ہے۔"(۵)

اردو میں نفسیاتی رجحان ترقی پسند تحریک کے توسط سے آیا۔ خاص طور پر اردو افسانے نے اس رجحان کو اظہار کا ذریعہ بنایا اور بڑے افسانہ نگاروں نے مختلف سماجی کرداروں ملکی معاشی صورت حال، مارشل لاء اور تقسیم ہند کے وقت ہجرت اور فسادات سے گزرنے والے لوگوں کی ذہنی حالت کی ترجمانی کی، مغرب میں افسانہ میں ڈی ایچ لارنس، مارشل پروست، فلابیر، ایملی زولا، جیمز جوائس اور ایڈگر ایلن کے نام ابھرے جو افسانہ میں جنسی نفسیات اور ذہنی الجھنوں کو بیان کر رہے تھے۔ اردو میں سعادت حسن منٹو، پریم چند، قاضی عبد الغفار، سجاد حیدر یلدرم، عزیز احمد اور غلام عباس نے سماجی حقیقت نگاری کو سامنے رکھتے ہوئے معاشرے کے بیمار ذہنوں کی عکاسی کی۔ نفسیاتی رجحان میں جو اصطلاحات استعمال ہوتی ہیں۔ ان کی بابت ڈاکٹر سلیم آغا قزلباس لکھتے ہیں کہ:

> "بلاشبہ نفسیاتی و جنسی پہلو روز اول سے ہی انسانی فطرت کا لازمہ رہے ہیں بلکہ اگر اساطیری داستان اور لوک ادب کا مطالعہ کیا جائے تو نفسیاتی و جنسی پہلوؤں کو ہزار پیکروں میں جلوہ گر دیکھا جا سکتا ہے۔ ویسے اساطیری و داستانی کہانیوں کے مطالعہ سے علم نفسیات نے بالواسطہ اور بلاواسطہ اکتساب فیض کیا ہے۔ مثلاً علم نفسیات کے مختلف تصورات اور متعدد نفسیاتی اصطلاحات اساطیری کرداروں سے ماخذ ہیں نرگسیت، نارسی سس سے متعلق ہے۔ ایڈی پس ایڈی پس کیمپلکس سے روح یا باطن کا سائیکی سے رشتہ بنتا ہے۔ کچھ اسی طرح اوڈیس کا سفر لاشعور کا اعلانیہ ہے جبکہ سسیفس کا پتھر ڈھونا ایذا پسندی کا اشارہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ مزید براں یہ کہ اپالو روحانی ترفعات کیوپڈ جذبہ عشق ہرمیز اور افرادیتی تصور اور تصور زن کے تصورات گری نشاندہی کرتے ہیں۔"(۶)

اردو افسانہ میں منٹو نے اپنے افسانوں میں طوائف کا محور بنایا۔ ممتا کا جذبہ ہر عورت میں فطری ہوتا ہے۔ اگر کسی عورت کو اس جذبے کے اظہار کا موقع نہ ملے تو وہ کسی اور صورت میں اس کی تسکین کرتی ہے۔ منٹو کے ہاں "دھواں"، "بلاؤز"، "ٹھنڈا گوشت"، "کھول دو"، "موزیل"، "کالی شلوار"، "سوگندھی" ایسے افسانے ہیں جن میں ایک طوائف کی ذہنی حالت کی عکاسی ملتی ہے۔ کرشن چندر کے ہاں "جنت اور جہنم"، "بچپن" اور "ویکسی نیٹر" میں پورا ڈھانچہ نفسیاتی مشاہدے پر تعمیر ہوا ہے۔ عصمت چغتائی نے نوعمری کے جذبہ جنس کی ترجمانی کی ہے۔ حسن عسکری نے شعور کی رو کی تکنیک کو عمدگی سے برتا۔ ممتاز مفتی نے متوسط طبقہ کی گھریلو لڑکیوں کی نفسیات قدرت اللہ شہاب نے جنسی زندگی اور غلام عباس کے ہاں معاشرتی اور سماجی رجحان کی عکاسی کے ساتھ جنسی عنصر نمایاں ہے۔ یوں اردو افسانہ کے سنہری دور میں نفسیاتی رجحان ایک اہم رجحان رہا ہے جس نے برصغیر کے سماج میں مرد اور عورت کے تعلق جنسی زندگی اور سماجی زندگی میں لوگوں کا طرز فکر اور ذہنی حالت کو اردو افسانہ نے عمدگی سے پیش کیا۔ یہ رجحان مختلف دبستانوں میں بھی نمایاں ہوا۔

تقسیم ہند کے بعد پاکستان کے کئی شہروں میں اردو افسانہ کے دبستان کے طور پر شہرت حاصل کی۔ ہندوستان کے مختلف شہروں سے بہت سے تخلیق کار ہجرت کر کے پاکستان کے شہروں میں آباد ہو گئے۔ کراچی، پنڈی اور ملتان اردو افسانہ کے حوالے سے معروف ہوئے۔ ملتان میں تقسیم کے بعد رائٹرز گلڈ قائم ہوا اور بعد میں اردو اکادمی ملتان جہاں مختلف تخلیق کاروں کے لیے ایک مرکز کی حیثیت اختیار کر گئی۔ عرش صدیقی، ڈاکٹر انوار احمد، جاوید اختر بھٹی، خالد سعید، صلاح الدین حیدر اور علی تنہا نے اپنے افسانوی سفر کا آغاز اسی مقام سے کیا۔ ان افسانہ نگاروں نے ملتان کو اردو افسانہ میں ایک شناخت فراہم کی۔ اس دور میں افسانہ حقیقت پسندی ترقی پسندی سے علامت نگاری اور تجریدیت کی طرف جا رہا تھا۔

ملتان میں اردو افسانہ کے درجنوں مجموعے شائع ہوئی اور اردو دنیا کے اہم رسائل میں اردو افسانہ کے باب میں ملتان کی بھرپور نمائندگی رہی۔ یہاں شام افسانہ منعقد ہوئیں اور تنقیدی محافل میں مسلسل افسانے پڑھے جاتے رہے۔ یہاں لکھے جانے والے افسانے نے اردو افسانہ کے مختلف مروجہ رجحانات کو ضرور شامل حال رکھا لیکن یہاں لکھے جانے والا افسانہ اس خطے کی مقامی روایات انسانی زندگی کی گھمبیر تا، انسانی رویے، معاشرتی تضادات اور لوگوں کی اجتماعی نفسیات کی عکاسی کر تا رہا ہے۔ آج اکیسویں صدی کی تیسری دہائی کے وسط تک ملتان میں کئی اہم افسانہ نگاروں کا اضافہ ہوا جن میں احمد ندیم تونسوی، لیاقت علی نیر، مصطفی، ساحر شفیق، عثمان علی اور قاضی علی ابو الحسن وہ افسانہ نگار ہیں جو ملتان کو اردو افسانہ کے ایک مختلف رویے سے روشناس کروا رہے ہیں۔ یہاں لکھے جانے والے افسانے کا ایک واضح جھکاؤ انسانی فطرت اور انسانی روپ رہا ہے۔ یہاں کے وہ افسانہ نگار جن کے رجحان کو نفسیاتی کہا جا سکتا ہے وہ خالد سعید ہیں۔

خالد سعید کا نام ملتان میں مترجم، روداد نویس اور افسانہ نگار کے نام سے معروف ہے۔ انہوں نے ۱۹۹۵ء میں "ملتان آرٹس فورم" کی بنیاد رکھی جو اردو افسانے کے لیے ایک نیا گھر ثابت ہوا۔ جہاں خالد سعید سمیت درجنوں افسانہ نگاروں اردو افسانہ کے سفر میں شامل ہوئے۔ خالد سعید کا واحد افسانوی مجموعہ ''سوال کے ہاتھ ''بیکن بکس ملتان سے ۱۹۹۶ء میں شائع ہوا۔ جس میں دس افسانے شامل ہیں۔ اگرچہ خالد سعید کی دیگر نثر ایک افسانوی اسلوب کی حامل ہے۔ خاص طور پر ان کی لکھی ہوئی اردو اکادمی اور ملتان آرٹس فورم کی رودادیں افسانہ کے انداز میں لکھی گئی ہیں۔

خالد سعید نفسیات کے استاد رہے اور ذہنی عارضہ میں مبتلا افراد کے لیے ایک غیر رسمی معالج کے طور پر بھی ان کی خدمات رہی ہیں۔ خالد سعید نے اپنے افسانوں میں مختلف کردار تراشے ہیں جو فلسفیانہ اور نفسیاتی پس منظر رکھتے ہیں ان کی افسانہ نگاری کے حوالے سے ڈاکٹر صلاح الدین حیدر لکھتے ہیں:

> ''یہ سوال ابھرتا ہے کہ خالد سعید امیجز کو تراشنے کے لیے طویل قسم کی رومانوی خود کلامی کی طرف کیوں چلا جاتا ہے لیکن یہ سوال بھی ابھرتا ہے کہ وہ یکا یک قاری کو الجھن سے نکالنے کی بجائے دوسری کہانی کی طرف لے جاتا ہے۔''(۷)

خالد سعید کے افسانوں میں سماجی حقیقت نگاری کی صورت میں افراد کی ذہنی حالت مختلف الجھنوں، مایوسیوں، محرومیوں کا شکار کردار جنس ڈر، خوف، انتہا پسندی، عورتوں کی محرومی وہ موضوعات ہیں جن کو وہ نفسیاتی انداز سے برتتے ہیں۔ خالد سعید نے شعور کی رو کو خود کلامی کے انداز میں عمدگی سے برتا ہے۔

خالد سعید شعور لاشعور اور اجتماعی شعور کے الفاظ اپنے کرداروں کے تناظر میں برتتے ہیں۔ ذہنی حالت ذاتی شعور تحلیل نفسی کی کار فرمائی۔ خالد سعید کے افسانوں میں واضح طور پر دیکھی جاسکتی ہے۔ عورت کا مزاج اس کی ذہنی حالت محبت کی کیفیت اور خطہ ملتان کے پسماندہ علاقوں میں عورتوں پر مردانہ تسلط کو خالد سعید نفسیاتی تناظر میں دیکھتے ہیں۔ ان کے افسانے ''جندرہ'' سے یہ اقتباس دیکھیے:

> ''جب اسے دوبارہ ہوش آیا تو اس کی ڈسچارج سلپ تیار تھی۔ ایک نوجوان ہاؤس فزیشن نے اسے مخاطب کرتے ہوئے کہا بابا جی ہم آپ کو یہاں زیادہ دیر نہیں رکھ سکتے نہ تو ہسپتال میں جگہ ہے اور پھر آپ کا خرچہ ادا کرنے والا بھی تو کوئی نہیں۔ بہر حال یہ سب کچھ مقدر کا لکھا ہے اور اسے کوئی ٹال نہیں سکتا۔ مجھے بے حد افسوس ہے کہ آپ کی بیوی اور سب بچے فساد میں مارے جاچکے ہیں۔ آپ کے سر پر شدید چوٹ آئی جس کی وجہ سے آپ نہ صرف اتنا عرصہ بے ہوش رہے بلکہ آپ پر مرگی بھی ہو چکی ہے اور باقی ماندہ زندگی پہ دورے ہوتے رہیں گے۔''(۸)

درج بالا اقتباس میں ایک ایسے شخص کا انجام دکھایا گیا ہے جس نے کم عمر اپنی بیٹیوں اور بیوی کی خوشی کی خاطر خوب محنت کی اور ایک پسماندہ سماج میں لوگوں کے طعنے اور طنزیہ جملوں کے باوجود اس نے عورتوں کی آزادی اور مرضی کا خیال رکھا۔ لیکن شہر میں فساد پھوٹے تو اس کی بیٹیوں کی عزت لوٹ لی گئی اور بیوی کو قتل کر دیا گیا۔ وہ ایک شدید ذہنی صدمے سے گزرا خالد سعید نے اس افسانہ کے ذریعے اپنے عہد کے بہت سے لوگوں کی ذہنی حالت کی عکاسی کی ہے۔ تقسیم ہند کے وقت فسادات اور ہجرت کے وقت لاکھوں لوگ قتل ہوئے۔ لوگوں نے اپنوں کے سفید ہوتے خون کو دیکھا اور اس گھر محلے اور شہر کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا جس کے بغیر جینے کا تصور نہیں تھا۔ یوں وہ لوگ جو اپنا وطن اور گھر چھوڑ کر آئے تھے۔ نئے ملک اور سماج میں گھل مل نہیں سکے ایک اداسی ویرانی اور بے زاری ان کے ساتھ رہی جس نے ان کو ذہنی طور پر مریض بنا دیا۔ خالد سعید اسی ذہنی حالت کو عمدگی سے افسانے کا حصہ بناتے ہیں۔

خالد سعید عورتوں کے ساتھ سماج کے برتاؤ کو بھی افسانے کا حصہ بناتے ہیں۔ خاص طور پر جب کوئی عورت کسی جسمانی عارضے میں مبتلا ہو جائے تو دوسری عورتیں بھی اس سے ہچکچاہٹ اور بیزاری کا رویہ اختیار کر لیتی ہیں۔ خالد سعید اپنے افسانے ''بدنصیب'' میں ایک چھوٹی لڑکی مُنی کے ساتھ اس کی خالہ کے رویے کو بیان کرتے ہیں۔ جب منی شہر میں پھیلنے والے ہیضے کا شکار ہو کر لقوہ کا شکار ہوتی ہے اور پھر ابلتے ہوئے پانی کے ٹب میں گر گئی جس کی وجہ سے اس کے جسم کا نچلا حصہ جل گیا۔

خالد سعید لکھتے ہیں:

> ''ماسی رجو کا دکھ بھرا تبصرہ یوں آیا۔ لڑکی ذات ہے، کھال اتر گئی ہے، ساری بچ بھی گئی تو کس سے باندھوں گی۔ اسے ماسی یوں مت کہو خدا اسے اس کی زندگی اور صحت کے لیے دعا کرو۔ ویسے بھی اس کے جسم کا نچلا حصہ ہی تو

متاثر ہوا ہے اور جو اس سے بیاہ کرے گا وہ اس کا یہ حصہ نہیں دیکھے گا۔ ماسی کے لہجے میں ایک فحش کڑواہٹ در آئی۔"(۹)

منی جو زندگی کی طرف لوٹ رہی ہے، اسے قریبی رشتوں کے پیار اور توجہ کی ضرورت ہے لیکن اس کی خالہ اس کی بد نصیبی محرومی اور جسم پر لگنے والی چوٹ کو عیب بنا کر اسے احساس کمتری میں مبتلا کر دیتی ہے، جیسے وہ ناکارہ ہو گئی ہے۔ اس میں جنسی کشش نہیں رہی۔ افسانہ منی کی مسلسل بد نصیبیوں کو موضوع بناتا ہے اور اسے ذہنی طور پر بیمار کرتا چلا جاتا ہے۔ اسے ایک لڑکے سے محبت ہو جاتی ہے لیکن بہت جلد آپسی تعلقات اس قدر خراب ہو جاتے ہیں کہ وہ راوی کے سامنے آکر بتاتی ہے:

"آپ شاید یقین نہیں کریں گے کہ مجھے عظمت علی سے اتنی ہی محبت ہے مگر بات یہ ہے کہ شادی کے بعد اب تک ہم میں میاں بیوی والا تعلق نہیں بن سکا۔ مجھے پتہ ہے یہ ایک بیماری ہے لیکن وہ بہت حساس ہے اس لیے چڑچڑا ہو گیا ہے۔ آپ کسی بھلے طریقے سے اسے علاج پر آمادہ کریں اور اس کی اس طرح مدد کریں کہ کسی کو کانوں کان خبر نہ ہو۔"(۱۰)

منی اور راوی کے درمیان ایک عجیب سا تعلق ہے کہ منی اپنی ہر پریشانی اسے آکر بتاتی ہے اور راوی اس کو سمجھتا بھی ہے اور کسی حد تک حل بھی کر دیتا ہے۔ لیکن اس سے اپنی محبت کا اظہار نہیں کر پاتا۔ دوسری طرف منی مسلسل محرومیوں کا سامنا کرتے کرتے اپنا ذہنی توازن کھو بیٹھتی ہے جبکہ راوی اپنے دل کی بات اسے بتانے ہی والا تھا۔ یوں اس افسانے میں بھی خالد سعید نے دو کرداروں کی ذہنی حالت اور نفسیات کو بیان کیا ہے جو سماج کے عمومی رویے کے حوالے سے ایک اہم جانکاری بن کر ہمارے سامنے نئے سوالات لاتا ہے۔

خالد سعید کے افسانوں میں شعور کی رو کی تکنیک تواتر سے استعمال ہوتی ہے۔ وہ اس تکنیک کے استعمال سے کردار کے لاشعور سے باتوں کو شعور میں لاتے ہیں۔ ایک روانی اور بے ربطی کی حامل یہ گفتگو کردار کو اپنے ذہنی حالت کے بیان میں مدد دیتی ہے۔ خالد سعید اس کا استعمال خود کلامی کی صورت میں کرتے ہیں۔ اس صورتحال کے بارے میں ڈاکٹر سلیم اختر لکھتے ہیں کہ:

"ہر ذہنی حالت کسی ذاتی شعور کا جز ہوتی ہے۔ ذاتی شعور سے وابستہ تمام ذہنی کیفیات ہر دم متغیر رہتی ہیں۔ ذاتی شعور کی ہر حالت میں تسلسل ملتا ہے۔ ذاتی شعور کی ہر حالت اشیاء اور وقوعات میں رد و قبول کرنے کے باعث بعض میں تو دلچسپی ظاہر کرتی ہے جبکہ بعض کو خاطر میں نہیں لایا جاتا۔"(۱۱)

خالد سعید شعور کی رو کا استعمال خود کلامی کی صورت میں کرتے ہیں۔ وہ کسی ایک کیفیت کو بیان کرتے چلے جاتے ہیں اور قاری کے سامنے مختلف مناظر مل کر ایک صورتحال کو مکمل کرتے ہیں۔ ان بے ربط جملوں میں وہ کسی ذہنی حالت یا کیفیت کو اس انداز سے غیر محسوس طور پر شامل کرتے ہیں کہ ہم اس کے تاثر کو دیر تک محسوس کرتے رہتے ہیں اور بعض اوقات پلٹ کر پھر سے متن کو پڑھتے ہیں کہ یہ بات اچانک کہاں سے آگئی۔

یہ اقتباس دیکھیے:

"وہ دونوں خشک چپ چاپ اور ایک دوسرے کی باہوں میں باہیں ڈالے پڑے تھے۔ میں نے وحشت کے عالم میں دوڑ لگا دی اور دیوار کے ایک بلند قامت درخت سے جا ٹکرائی۔ درخت مجھ پر پل بھر میں ان گرا پر ایسے لگا کے چھٹانک برابر وزن مجھ پر پڑا ہو اور سفید چیونٹیاں مجھ پر ہلہ بول چکی تھی۔ وہ میرے جسم کے سوراخوں سے اندر داخل ہو رہی ہیں۔ میں سوکھ رہا ہوں کوئی ہے جو مجھے بچالے...... ارے کوئی ہے..... مدد..... مدد میں آخر انسان ہوں اور میں بھی مر رہا ہوں۔ شاید...... اور کسی پردیسی کبھی گھر کبھی نہ لوٹ سکے گا۔"(۱۲)

خالد سعید کی زندگی کا بیشتر حصہ لاہور میں گزرا۔ انہوں نے وہاں تعلیم مکمل کی اور جوانی کے دن گزارے۔ لاہور ان کی یادوں کا ایک مستقل حصہ رہا ہے۔ ان کے افسانوں میں بھی بہت جگھوں پر لاہور ایکنا سٹلیجیا بن کر سامنے آتا ہے۔ وہ اپنے اس خطے اور شہر سے بہت محبت کرتے ہیں اور اکثر اپنے افسانوں کر داروں کو بھی کھینچ کر وہاں لے جاتے ہیں اور اپنے ماضی کو یاد کرتے ہیں۔ اس نفسیاتی کیفیت کے بارے میں ڈاکٹر اقبال آفاقی لکھتے ہیں کہ:

"یہ ایک نفسیاتی حقیقت ہے کہ جن لوگوں کی جڑیں زمین کے اندر پیوست ہوتی ہیں۔ وہ تمام تر مشکلات کے باوجود بیگانگی اور اجنبیت کا شکار نہیں ہوتے مٹی کی محبت اور ثقافتی رشتے انہیں حقائق سے مربوط اور منسلک رکھتے ہیں۔ انہیں اپنی صورتحال کو اجتماعی صورتحال میں تبدیل کرنے میں دقت محسوس نہیں ہوتی اور نہ ہی انہیں بیگانگی کا مرض لاحق ہوتا ہے۔ اس کے برعکس ہجرت کرکے آنے والوں کو مسلسل یادِ ماضی کے عذاب سے گزرنا پڑتا ہے۔ ناسٹلیجیا اور Alination کی مختلف صورتیں ہیں۔ انسان ایک گہری تنہائی اور سناٹے میں گھر جاتا ہے۔ ظاہری آنکھوں سے زیادہ اس کی باطنی انکھیں فعال ہو جاتی ہیں۔"(۱۳)

خالد سعید ایک مصنف کے طور پر ناسٹلیجیا کا شکار ہو جاتے ہیں۔ ان کے افسانوں میں ماضی اور وہاں گزرا ہوا وقت ایک خوشگوار یاد بن کر آتا ہے۔ وہ اپنے شہر اور گلی کا ذکر کرتے ہیں تو جذبات کے دھارے میں بہتے چلے جاتے ہیں۔ ایسے افسانوں میں وہ لاشعور کے تابع ہوتے ہیں اور شاید خود بھی اس بہاؤ کو روکنا نہیں چاہتے اس ناسٹلیجیا کے بعد موجود صورت اور جگہ سے ایک انتہائی بیزاری بیگانگی اور اکتاہٹ کا مظاہرہ کرتے نظر آتے ہیں جو ایک خاص ذہنی حالت کی عکاسی کرتی ہے جس کا شکار شاہد وہ خود تھے مگر اس کا اظہار اپنی جگہ اور مٹی سے جڑت کے طور پر ان کے افسانوں میں آیا ہے۔

افسانہ "دیمک دل" سے یہ اقتباس دیکھیے:

"لاہور ایک قدیم شہر ہے بے حد تاریخی شالیمار باغ، مسجد وزیر خان، شاہی مسجد، لارنس گارڈن، مقبرہ جہانگیر، چوبرجی اور سب سے بڑھ کر شاہی قلعہ یہاں کی شامیں بے حد رنگین ہوتی ہیں۔ تمہیں اپنے دوستوں سے ملواؤں گا وہ بھی تم سے مل کر میری طرح بہت خوش ہوں گے۔"(۱۴)

خالد سعید کے افسانوں میں زیادہ تر منظر نامہ لاہور شہر کا ہے۔ان کے ہاں یہاں کی مختلف سڑکیں چوراہے اور بازار ملتے ہیں وہ اچانک کردار کے ساتھ چلتے چلتے گم ہو جاتے ہیں۔

خالد سعید کے افسانوں میں ایسے کردار اور کیفیات ملتی ہیں جو کسی معمولی سی چیز یا ماضی کے کسی ایسے دھاگے سے بندے ہیں کہ یہ دھاگے آسانی سے ٹوٹتے نہیں یہ اقتباس دیکھیے:

"اس واقعہ کو برسوں بیت گئے کسی نے اسے پھر کبھی نہیں دیکھا مگر گاؤں کے بوڑھے لوگ کہتے ہیں کہ برسات کے موسم میں گھنگور گھٹائیں آتی ہیں اور پورا چاند گہرے بادلوں سے بچ کر ان سنسان جنگلوں میں جھانکتا ہے تو ایک لمبی سفید داڑھی والا بوڑھا سرخ چولا پہنے اور پاؤں میں گھنگروڈالے ناچتا دکھائی دیتا ہے۔"(۱۵)

درج بالا اقتباس علامتی انداز میں بیگانگی اور بے گھری کے احساس کو اجاگر کرتا ہے۔ان کے انداز سے کوئی بہت اہم اور قیمتی چیز آہستہ آہستہ کسی نمک کے ٹکڑے کی مانند گھلتی جارہی ہے۔وہ خود ایک اذیت کا شکار ہے مگر اس کے احساس کو دوسرے کے سامنے عیاں نہیں کرتے خود اذیتی ایک نفسیاتی حالت ہے جس کا اظہار خالد سعید نے اپنے افسانوں میں عمدگی سے کیا ہے۔ان کے اکثر کردار ماضی کی کسی غلطی کا ازالہ خود کو اذیت دے کر کرتے ہیں۔

ڈر، خوف ، دہشت اور گھبراہٹ کی کیفیات بھی بعض اوقات خاص ذہنی حالت کی وجہ سے انسان کو بے بس کر دیتی ہیں۔وہ انسان واہموں کا شکار ہوتا ہے اسے چیزیں ٹوٹتی بکھرتی اور ایک دوسرے میں مدغم ہوتی محسوس ہوتی ہیں۔وہ اساطیری کرداروں مافوق الفطرت عناصر سے ہم کلام ہوتا ہے اور ذہنی طور پر دوسرے لوگوں سے مختلف ایک حالت میں زندگی بسر کررہا ہوتا ہے۔یہی مخصوص ذہنی حالت ہمیں خالد سعید کے افسانوی کرداروں کے ہاں نظر آتی ہے۔سنبل کے درخت اور ایک لڑکی کی محبت کی داستان بھی ایسی ہی کیفیت سے دوچار کرتی ہے۔"پریم کتھا ایک سنبل کی" سے یہ اقتباس دیکھئے:

"اسی طرح ہم چلتے چلتے لارنس تک آپہنچے باغ میں ایک وحشی افسردگی ناچ رہی تھی۔خشک پتوں کی چرمراہٹ میں چلتے ہوئے ہم اس پرانے سنبل کے قریب آکر ٹھہر گئے۔یکایک تیز ہوا چلنے لگی مرجھائے ہوئے خشک پتے زمین سے اڑ کر پیڑوں پر لگنے لگے، وہ سنبل کے تنے کے ساتھ لگ کر بیٹھ گئی۔بجلی کڑکی اور اندھیرا چھا گیا یا خدا خیر یہ بے موسمی برسات سہم سہم کر پیچھے ہٹ گئے۔سنبل کی گنجل دار شاخیں لرز رہی تھیں۔بجلی کی چمک کی روشنی میں میں نے دیکھا کہ سرخ پھولوں نے عائزہ کو اپنی پناہ میں لے لیا سنبل کے تنے اور شاخوں میں حرکت ہوئی وہ ایک دوسرے سے لپٹ گئے اور پھر بتدریج ایک دوسرے میں مدغم ہو گئے۔"(۱۶)

روح اور باطن کی اواز سننا یا خود کو اندر سے پاک کرنا بھی ایک خاص ذہنی حالت ہے۔انسان خود کو دوسروں سے مختلف اور خدا کے قریب محسوس کرتا ہے۔نفسیات کی اصطلاح میں ایسے سائیکی کہتے ہیں۔یہ ایک طرح کا پاگل پن یا جنون کو بھی ظاہر کرتا ہے کہ اس

کیفیت کا شکار شخص دوسروں سے واسطہ نہیں رکھتا اور ذہنی طور پر اپنی ایک الگ دنیا میں موجود رہتا ہے۔ خالد سعید کے ہاں ہمیں ایسے کردار ملتے ہیں جو مخصوص سائیکی کے حامل ہیں یہ اقتباس دیکھیے:

"جب وہ پر ہجوم گلیوں بھرے بازاروں اور مہکتے باغوں کے شہر سے روانہ ہوا تو دریا کے پل پر شہر نے کہا مت جاؤ، کہیں مت جاؤ، کبھی واپس نہ آسکو گے جس کیمیا کی تلاش میں ہو وہ تو تمہارے اپنے اندر ہے، میں جو تم میں ہوں اور اس نے کہا کہ نہیں تمہاری اور آسمانوں کی عطا کردہ روح کے تنگ پنجرے میں میرا بدن شکاری کتے سے بھاگتے ہوئے خرگوش کی طرح دہشت زدہ ہے اور مجھے اس م روح سے نجات حاصل کرتا ہے۔ پھر صدیاں پھلانگتے ہوئے دریا کی بپھری موجوں پر سنبھل کر چلتے ہوئے شاہ حسین نے تنبیہ کی

ایک ہنیری کوٹھڑی دوجے مترو چھنے
کالے ہرنا چرگیوں شاہ حسین دے بنے "(۱۷)

خالد سعید کا افسانوی مجموعہ "سوال کے ہاتھ" ایسے بہت سے کردار لیے ہوئے ہے جو موجودہ سماج سے مطابقت قائم نہیں کر پاتے۔ یہ کردار ذہنی طور پر اس قدر متغیر اور الجھے ہوئے ہیں کہ مختلف ذہنی آرزو میں مبتلا ہے اور مجموعی طور پر ایک ایسے سماج کی عکاسی کرتے ہیں جہاں ڈر، خوف، دہشت، خود فریبی، ایذا پرستی کی وجہ سے انتہائی، بیگانگی اور اکتاہٹ جنم لے رہی ہے۔ انسان کا انسان سے رشتہ ٹوٹ رہا ہے۔ وہ مختلف نفسیاتی اصطلاحات کو اپنے افسانوں میں عمدگی سے برتتے ہیں جن میں جنسی، بے جان، خود لذتی، نرگسیت، احساس کمتری، مردانہ تفاخر، انا، شخصیت، انارگی اور انسانی فطرت کے مختلف پہلو ہمارے سامنے آتے ہیں۔ خاص طور پر عورت اور مرد کا تعلق اور مرد کی عورت کے حوالے سے حاکمانہ سوچ کی نفی کرنا ان کے نزدیک ایک مرغوب موضوع ہے۔ وہ ان افسانوں میں عورت کا عورت اور مرد کا عورت سے بھائی، بہن، باپ، بیٹی، میاں، بیوی، عاشق، محبوبہ، پڑوسن، ہمسفر، ہم جماعت، ہم مکتب، عورتوں کے ساتھ جنسی تعلقات مختلف جسمانی اعضا کے حوالے سے ایک مرد کی سوچ کو اس انداز سے سامنے لاتے ہیں کہ ہمیں سماج میں مرد اور عورت کے رشتے میں جنس کے تصور کے نفسیاتی پہلو سامنے آتے ہیں جس سے ہم بعض صورتوں میں ایڈی پس کمپلیکس، نرگسیت اور انا جیسے تصورات کی صورت میں سمجھ سکتے ہیں۔ خطہ ملتان میں نفسیاتی رجحانات کے حامل افسانے کو فروغ دینے میں خالد سعید کا ایک ادیب اور افسانہ نگار کے طور پر کردار اہمیت کا حامل ہے۔

حوالہ جات

۱۔ ابوالکلام قاسمی، نظریاتی تنقید، (ملتان:بیکن بکس، ۲۰۱۵ء)، ص ۱۳۰

۲۔ سلیم اختر، تنقیدی دبستان، (لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۴ء)، ص ۱۵۹

۳۔ سجاد باقر رضوی، مغرب کے تنقیدی اصول، (لاہور:اظہار سنز، ۱۹۷۱ء)، ص ۲۱۰

۴۔ ٹیری ایگلٹن، ادبی تھیوری: ایک تعارف، (ترجمہ: یاسر جواد)، (لاہور:الفیصل، ۲۰۲۲ء)، ص ۱۸۴

۵۔ غلام حسین اظہر، فرائڈ، مشمولہ: "اوراق" سالنامہ وغالب نمبر، (لاہور:اردو بازار، اپریل ۱۹۶۹ء)، ص ۲۲

۶۔ سلیم آغا قزلباش، جدید اردو افسانے کے رجحانات، (کراچی:انجمن ترقی اردو پاکستان، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۹۶

۷۔ صلاح الدین حیدر، پیش لفظ، مشمولہ: سوال کے ہاتھ، از خالد سعید، (ملتان:بیکن بکس، ۱۹۹۶ء)، ص ۸

۸۔ خالد سعید، سوال کے ہاتھ، (ملتان:بیکن بکس، ۱۹۹۶ء)، ص ۱۰۳

۹۔ ایضاً، ص ۹۰

۱۰۔ ایضاً، ص ۹۳

۱۱۔ سلیم اختر، افسانہ اور افسانہ نگار، (لاہور:سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۱۳ء)، ص ۱۷

۱۲۔ خالد سعید، سوال کے ہاتھ، ص ۴۷

۱۳۔ اقبال آفاقی، اردو افسانہ: ہنر فن اور متنی تجربے، (لاہور: فکشن ہاؤس، ۲۰۱۶ء)، ص ۱۷۵

۱۴۔ خالد سعید، سوال کے ہاتھ، ص ۶۴

۱۵۔ ایضاً، ص ۶۱

۱۶۔ ایضاً، ص ۲۰